پروفیسر امین اللہ وثیر

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی

تلامذہ و تصانیف اور رفاہی ادارے

قاضی عبدالرحیم مراد آبادی

الشیخ الفاضل الکبیر القاضی عبدالرحیم بن عبدالرشید البہاری ثم المراد آبادی اپنے زمانے کے مشہور و معروف علما میں سے تھے، وہ نو سال سے زیادہ عرصے تک مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کی خدمت میں موجود رہے اور علم و فن سے بہرہ ور ہوئے۔ یہاں سے فارغ ہوئے تو انہیں مراد آباد کا قاضی مقرر کر دیا گیا، وہاں وہ ایک لمبے عرصے تک قضا کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے ساتھ ساتھ تعلیم و تدریس میں مشغول رہے اور بے شمار لوگوں نے ان سے کسبِ فیض کیا۔[1]

قاضی عبدالرحیم مراد آبادی کے دو شاگرد بہت مشہور ہوئے۔ مولوی قطب الدین گوپاموئی اور سید سعد اللہ بلگرامی۔ مولوی قطب الدین گوپاموئی قاضیوں کے ایک معروف خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور اہل ثروت لوگوں میں سے تھے۔ اُن کے والد قاضی شہاب الدین بھی علماءِ اعلام میں سے تھے۔ مولوی قطب الدین نے ۱۱۶۰ھ میں وفات پائی۔ غلام علی آزاد اُن کے متعلق تحریر کرتے ہیں:

"درجمیع علوم سیما ہیئت و ہندسہ عدیم المثیل بود۔"[2]

ہندوستان کے مشہور فلسفی قاضی مبارک شارح سلم العلوم (م۔ ۱۱۶۲ھ) انہی ملا قطب گوپاموی کے شاگردِ رشید تھے۔[3]

حافظ سید سعد اللہ بن سید مرتضیٰ بلگرامی (م۔ ۱۱۱۹ھ) فقر و فضل کے مجمع البحرین تھے۔ بلگرام کے مردم خیز خطے کے بہت سے نامور علما نے آپ ہی سے کسبِ فیض کیا۔ آزاد بلگرامی لکھتے ہیں:

---

[1] نزہۃ الخواطر جلد ۵، ص ۲۱۸ ، [2] مآثر الکرام، دفتر اول ص ۲۰۰ ؛ [3] تذکرۂ علمائے ہند ص ۱۷۲

"آخر بہ مُلا عبدالرحیم کہ قاضی مرادآباد قریب سنبھل و عالم کامل و تلمیذ بلا واسطہ مولوی عبدالحکیم سیالکوٹی بود، پیوست و تحصیلِ فضائل کرد"[۵۴]

مولوی رحمان علی انھیں فاضلِ بے عدیل اور عالمِ عدیم المثیل کے القاب سے یاد کرتے ہیں[۵۵]

آزاد بلگرامی نے سُبحۃ المرجان میں اور نواب صدیق حسن خان نے ابجد العلوم میں بیان کیا ہے کہ سید سعداللہ بلگرامی کے ایک بہت فاضل شاگرد السید طفیل محمد بن السید شکراللہ الحسینی الاترولی البلگرامی (م - ۲۴ ذی الحجہ ۱۱۵۱ھ) تھے - آزاد لکھتے ہیں:

"ھو مطلع البدور...... ملتقی البحرین من علمی الظاھر والباطن"[۵۶]

نواب صاحب کے بیان کے مطابق سید طفیل محمد فاضلِ عارف اور علوم عقلیہ و نقلیہ کے عالم کامل تھے وہ ستر سال تک احیائے علوم میں مصروف رہے اور عربی کے بہت اچھے شاعر بھی تھے۔ ساری عمر تجرد کی زندگی بسر کرتے رہے۔ نواب صاحب نے ان کے حسبِ ذیل دو شعر نقل کیے ہیں:

بھجنی غادۃ قالت لجارتھا   شخصٌ اراہ خلیعاً فارغ البال
یحوم کل اوان حول مشربتی   انی لاقتلہٗ فی اسرع الحال[۵۷]

مصنفِ حدائق الحنفیہ (ص ۴۴۱-۲) لکھتے ہیں:

"عالم، فاضل، عارفِ کامل، فقیہہ، ادیب، جامع علوم درسیہ نقلیہ و عقلیہ تھے"

سید طفیل محمد کے شاگرد سید محمد بن سید عبدالجلیل بلگرامی (م: ۸ شعبان ۱۱۸۵ھ[۵۸]) تھے - فرخ سیر نے ان کو ان کے والد کی جگہ بھکر اور سیوستان کی بخشی گری اور سوانح نگاری عطا کی۔

نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں کہ سید محمد بڑے عمدہ شعر کہتے تھے۔ ان کی دو کتابوں، مختصر کتاب المستطرف اور تبصرۃ الناظرین (بالفارسی فی التاریخ) کا پتہ چلتا ہے - نواب صاحب نے آپ کی تاریخ وفات ۱۱۸۸ھ بتائی ہے[۵۹]

سید طفیل محمد کے دو اور فاضل اور مشہور و معروف تلامذہ کا ذکر ضروری ہے - یہ دونوں غلام علی آزاد بلگرامی اور سید محمد یوسف بلگرامی (م - ۱۱۷۲ھ) ہیں - سید محمد یوسف آزاد بلگرامی کے خالہ زاد تھے۔ آزاد

---

[۵۴] ماثر الکرام دفتر اول ص ۲۰۱، [۵۵] تذکرہ علمائے ہند ص ۴۳، [۵۶] سُبحۃ المرجان ص ۹۰،
[۵۷] ابجد العلوم ص ۹۱۰، [۵۸] تذکرۂ علمائے ہند ص ۴-۵۳، [۵۹] ابجد العلوم ص ۱۰-۹۰۹

انھیں "اخی و حبیبی" کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

کسبنا العلوم بالموافقة وسلکنا جادة التحصیل بالمرافقة وقرأنا الکتب الدرسیة والفنون القدسیة من البدایة الی النهایة علی استاذ المحققین ومنظور عیون المدققین ناصرنا بالعضد القوی مولانا السید طفیل محمد الاترولوی نور الله مضجعه[10]

آزاد خود اپنے بارے میں الگ سے بھی اسی قسم کی شہادت دیتے ہیں:

وقرأت الکتب الدرسیة بدایة ونهایة علی صاحب الرتب السوامی مولانا السید طفیل محمد ..... [11]

ملا عصمت اللہ سہارنپوری

ملا عصمت اللہ سہارنپوری، بڑے عالم، فاضل اور متبحّر فقیہ تھے اور ان کا شمار مشاہیر علمائے دین میں ہوتا تھا، انھوں نے اپنی ساری زندگی خدمتِ علم اور درس و تدریس میں صرف کردی۔ اور اگرچہ آخری عمر میں نابینا ہوگئے تھے لیکن بقول صاحبِ "تذکرۂ علمائے ہند":

"در باطن چشم بصیرتش روشن بود"

آپ کی بعض مفید تصانیف کا بھی پتہ چلتا ہے جن میں سے الحاشیہ علی الفوائد الضیائیہ (شرح ملا جامی) اور شرح خلاصۃ الحساب زیادہ مشہور ہیں[12] آپ نے ۱۰۳۹ھ میں وفات پائی[13] حدائق الحنفیہ (ص ۴۰۶) میں آپ کی تاریخ وفات "دفتر دانش" بتائی گئی ہے "تذکرۂ باغستان" میں آپ کا تذکرہ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے تلامذہ میں کیا گیا ہے۔ الفاظ یہ ہیں:-

وازاں جملہ است ملا عصمت اللہ سہارنپوری کہ بر خلاصۃ الحساب و تشریح الافلاک شیخ بہاء الدین محمد عاملی شرح نوشتہ اند[14]

نواب صدیق حسن خان کے بیان کے مطابق قنوج کے بہت سے نامور علما ملا عصمت اللہ سہارنپوری کے شاگرد تھے۔ ان میں سے الشیخ الاجل علی اصغر بن الشیخ عبدالصمد القنوجی البکری الکرمانی (م: ۱۱۴۰ھ) زیادہ مشہور ہوئے۔ وہ بہت سی کتابوں کے مصنف اور جمیع علوم عقلیہ و نقلیہ کے ماہر اور تصوف و سلوک

---

[10] سبحۃ المرجان ص۱ [11] ایضاً ص۱۱۸ ، [12] تذکرۂ علمائے ہند ص۱۴۰ ، [13] سبحۃ المرجان ص۵۲

[14] دیکھیے جرنل ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان پنجاب یونیورسٹی اکتوبر ۱۹۶۴ء ص۵۸

کے امام تھے۔ نواب صاحب لکھتے ہیں:

واتم المتوسطات والمطولات فی حلقۃ درس السید عصمت اللہ السہارنفوری[۱۵]

ملا علی اصغر قنوجی کے دو صاحبزادے مولوی رستم علی اور مولوی محمد عبد العلی بھی علماءِ وقت میں سے تھے۔ نواب صدیق حسن خان تحریر کرتے ہیں:

اکتسب العلوم المتن اولۃ وکتبھا المطولات من ابیہ العارف ..... وعلّم ودرّس وألف۔

آپ کی تصانیف سے تفسیر قرآن کریم المسمی بالصغیر ہے[۱۶]

مولوی محمد عبد العلی نے اکتسابِ علم اپنے بھائی مولوی رستم علی سے کیا اور ہر فن میں مہارت تامہ بہم پہنچائی۔ ان کا حاشیہ علی شرح المنار (اصول الفقہ) مشہور ہے[۱۷]۔

مولوی اصغر علی کے دو اور شاگردوں کا تذکرہ بھی ابجد العلوم میں نواب صاحب نے کیا ہے:

الشیخ فتح علی قنوجی۔ ابًا عن جدٍ فاضل تھے، اور اپنے ہمعصر علما میں ممتاز حیثیت کے مالک۔ ان کی تصنیفات میں سے حاشیہ علی شرح التہذیب (الجلالی) اور شرح المقامات (للحریری) ہیں[۱۸]۔

مولوی محمد امجد قنوجی

اپنے عہد کے عظیم المرتبت علما میں سے تھے درس و تدریس میں مصروف رہتے تھے۔ آپ نے بہت سی کتابیں بھی لکھیں جن میں سے صدرا کا حاشیہ قابلِ ذکر ہے[۱۹]

مُلّا عبد الوہاب پُرسروری

آپ فرحۃ الناظرین کے مصنف محمد اسلم بن محمد حفیظ پسروری (عہد شاہ عالم) کے جدِ امجد تھے اور آپ کا شمار مشاہیر فضلائے عصر میں ہوتا تھا۔ محمد اسلم نے آپ کے حالات فرحۃ الناظرین میں تحریر کیے ہیں[۲۰] اس کا بیان ہے کہ شاہجہان نے انھیں کئی مرتبہ مناصب و وظائف سے نوازا اور نواب سعد اللہ خان کی سعی و تردد کی بنا پر اپنے فرزندوں کے نام دو دیہہ بھی بطور وظیفہ قبول کیے۔ شاہجہان

---

۱۵ ابجد العلوم ص ۹۳۰، ۱۶ ایضاً ص ۹۳۲، ۱۷ ایضاً ص ۳-۹۳۲، ۱۸، ۱۹ ایضاً ص ۳۴-۹۳۳

۲۰ دیکھیے۔ اورینٹل کالج میگزین ص ۷۷-۷۶۔ اگست ۱۹۲۸ء

نے اس میں اضافہ کر کے چار دیہات کا فرمان جاری کر دیا۔

مصنف مزید لکھتا ہے کہ یہ دیہات اس کے زمانے تک اسی خاندان کے تصرف میں رہے مگر سکھوں کے ہنگامے میں ان کے ہاتھ سے جاتے رہے۔ فرحۃ الناظرین میں اس فاضلِ زمانہ کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

"بہ پرہیزگاری و خداپرستی موصوف و بمزید دانش و تبحر در علوم و افراطِ معلومات مشہور و معروف و در انجاح مرامِ طبقاتِ انام مساعی جمیلہ داشتن بو کسر نفس و تواضع با صغیر و کبیر سجیۂ مرضیۂ اوشاں بود۔ اکثر متداولات را در سیالکوٹ بخدمت ملا عبدالحکیم خواندہ در علمِ فقہ و اصول و معانی بہرہ تمام داشتند و ہمہ عمر اعتماد بر توکل نمودہ بدرس علوم دینی و کسبِ علمِ یقینی اشتغال داشتند"۔

آپ نے ۱۰۵۹ھ میں دنیا کو خیرباد کہا۔

مولوی محمد معظم

مولوی محمد معظم بن احمد صدیقی بٹہ کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی سے تحصیل علم کی اور علوم دینیہ میں اپنے ہمعصروں پر گوئے سبقت لے گئے۔ انھیں قرآن مجید مع تفسیر بیضاوی حفظ تھا۔ بہادر شاہ بن عالمگیر نے انھیں اُن کے وطن بٹہ کا قاضی مقرر کیا تھا اور چند دیہہ بطور جاگیر عطا کیے۔

مولوی محمد معظم عمر بھر تعلیم و تدریس اور عدل گستری میں مصروف رہے۔ ان کی تصانیف میں سے قرآن مجید کی تفسیر بھی تھی جو سکھوں کے زمانۂ استیلا میں جلا ڈالی گئی۔ انھوں نے مثنوی مولانا روم کی شرح بھی لکھی تھی۔ آپ نے ۱۱۵۸ھ میں وفات پائی اور بٹہ میں مدفون ہوئے[۲۱]۔

شیخ عبدالعزیز اکبرآبادی

آپ عام طور پر ملا عبدالعزیز عزت کے نام سے معروف ہیں۔ "تذکرۂ باغستان" میں آپ کو مولانا عبدالحکیم کے شاگردوں میں شمار کیا گیا ہے[۲۲]۔ آپ کے والد مولانا عبدالرشید فحول علما میں سے تھے عنفوانِ شباب ہی میں تحصیلِ علوم سے فراغت حاصل کر کے درس و تدریس میں مصروف ہو گئے تھے اور اپنے وطن اکبرآباد میں "ہنگامۂ افادہ" گرم لیے ہوتے تھے۔ صاحبِ مرآۃ العالم کا بیان ہے کہ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی محفل میں اکثر آپ کا تذکرہ ہوا کرتا تھا۔ حتیٰ کہ آپ کے بعض رسائل و مسودات شہنشاہ کی نظر سے بھی گذرے،

---

[۲۱] تذکرہ علمائے ہند ص ۲۱۳ [۲۲] برنل ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان ص ۵۸ (اکتوبر ۱۹۶۴ء)

وہ بہت متأثر ہوا اور شیخ عبدالعزیز کو دوبارہ بلا کر "موردِ انواعِ عاطفت" فرمایا اور "منصبِ عمدہ و خدمتِ عرض مکرر" پر امتیاز بخشا۔ اس کے علاوہ بھی عالمگیر کی "توجہاتِ روز افزوں" آپ کو حاصل تھیں [۲۲]

شیخ عبدالعزیز ایک شیریں مقال شاعر بھی تھے۔ عزت آپ کا تخلص ہے۔ مرآۃ العالم ہی میں لکھا ہے کہ عالمگیر اپنی تخت نشینی کے اٹھارویں سال میں حسن ابدال میں مقیم تھا۔ اس وقت شیخ عبدالعزیز بھی اس کے پاس موجود تھے۔ جب وہ بادشاہ سے رخصت ہو کر لاہور واپس پہنچے تو مندرجہ ذیل غزل لکھ کر بادشاہ کے پاس حسن ابدال بھیج دی:

ز دردِ دل چہ نگارم کہ جوشِ بے تابیست — زشوقِ جاں چہ نویسم کہ نامہ سیمابیست
شبِ فراقِ خیالِ کہ ریخت خون دِلم — کہ باز اشک گلابی و دیدہ عنابیست
چگونہ شرح دہم حالِ دل کہ بے تابم — زیادِ تابِ رخش دل کتان و مہتابیست
شکستہ ایم دریں بحر، ناخدا چہ کند — بکشتی کہ زیک قطرہ آب گردابیست
نماند صورتِ رازِ دلم نہاں عزت — کہ دیدہ صفحۂ تصویرِ رنگِ بیخوابیست

اور اس کے بعد مصنف نے اس غزل کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ بھی سننے کے قابل ہیں:

"گوہر ایں اشعار عربی و فارسی دہندی کہ از آں محیط فضل بساحلِ ادائی و رنگینی مضمون رسیدہ ہمہ آبدار و آویزۂ گوشِ مستعدانِ روزگار است۔" [۲۳]

مُلّا محمد افضل جونپوری

اپنے وقت کے "علامۂ زمان و افتخارِ زمانیاں" تھے۔ فنونِ درسی میں سرزمینِ جونپور سے ان جیسا فاضل انسان کوئی پیدا نہیں ہوا۔ اور اپنے معاصرین میں جتنا حسنِ قبول انھیں حاصل ہوا کسی اور شخص کو نصیب نہ ہوا۔ آپ جونپور سے لاہور آئے اور مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی سے تحصیل علم کیا۔ کئی سال تک آپ کی خدمت میں رہ کر تمام مروجہ علوم و فنون کے حصول کے بعد وطن کو مراجعت کی اور وہاں جا کر ایک مدرسہ جاری کیا۔ جونپور کے طالبانِ علم اس مدرسہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے اور اس چشمۂ علم و فضل سے سیراب ہوتے تھے۔ جہانگیر کی نگاہوں میں ان کا مقام بڑا بلند تھا۔ چنانچہ اس نے آپ کو "استاذ الملک" کا خطاب عطا کیا۔ علاوہ

---

۲۲ ضمیمہ اورینٹل کالج میگزین ص ۷۷ (اگست نومبر ۱۹۵۳) ۲۳ مرآۃ العالم ورق ۴۰۹ الف (ضمیمہ اورینٹل کالج میگزین)

ازیں آپ کو شاہی مدرسہ میں بھی تدریس کی ذمہ داری تفویض کی اور جاگیر مقرر کردی۔[25]

فنونِ عقلیہ کے مشہورِ زمانہ عالم ملا محمود جونپوری، ملا محمد افضل کے تلامذہ میں سے تھے[26]۔ اس لحاظ سے ملا محمود ایک واسطہ سے مولانا عبدالحکیم کے شاگرد ہوئے۔

ملا محمد افضل کے ایک اور شاگرد شیخ عبدالرشید تھے جو کہ علماءِ کبار کی صف میں شمار ہوتے تھے۔ وہ کثیر التصنیف بزرگ تھے، زاد السالکین شرح اسرار الخلوۃ، حاشیہ شرح مختصر عضدی اور مقصود الطالبین ان کی مشہور تصانیف ہیں[27]۔

چندر بھان برہمن

شاہ جہانی عہد کا سب سے ممتاز ہندو شاعر اور ادیب چندر بھان تھا، برہمن اس کا تخلص ہے، کہا جاتا ہے کہ وہ لاہور کا باشندہ تھا۔ اپنی تصنیف "چہار چمن" کے تیسرے چمن میں چندر بھان نے اپنی زندگی کی بعض تفصیلات بیان کی ہیں۔ اس کا اپنا بیان ہے کہ "میں ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کا تلمیذ ہوں" RIEU کے بیان کے مطابق ۱۰۷۳/۱۶۶۲ء میں وفات پائی، لیکن بعض علما نے اس کا سنِ وفات ۱۰۷۵ ہجری/ ۱۶۶۴ عیسوی بتایا ہے[28]۔

ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ چندر بھان برہمن نے ابتدائی تعلیم ملا عبدالحکیم سیالکوٹی سے حاصل کی۔ اس کی مشہور تصانیف حسبِ ذیل ہیں:

چہار چمن، تحفۃ الانوار، گلدستہ، نگارنامہ، تحفۃ الفصحا، مجموعۃ الفقرا، منشآت اور دیوان فارسی[29]۔

میر سید اسمٰعیل بلگرامی

میر غلام علی آزاد ان کے بارے میں تحریر کرتے ہیں:

"از فحول علماء و جہابذۂ فضلاء است ۔ ۔ ۔ ۔ در عقلیات برہانِ ساطع بود و در نقلیات حجتِ قاطع جم غفیر دانش آموزاں را کامل و مکمل ساختہ، و بر حاشیۂ علامہ دوانی بر تہذیب المنطق حاشیہ مدون مستعدانہ نوشت، و با وصف علوم مرتبہ دانش بسیار کوچک دلی بزرگ ہمت بود، و ید فیض رسانی طولے داشت، و علم موسیقی ہندی خوب می دانست۔ و از جہرۂ دقائق ایں فن می زیست[30]۔"

---

[25] تذکرۂ علماء جونپور (قلمی) از خیر الدین محمد الہ آبادی ورق ۱۹ الف۔ [26] ایضاً، [27] ایضاً ورق ۲۰۔

[28] اسلامک کلچر اپریل ۱۹۳۵ ص ۱۱۷/۱۱۵، [29] اورنٹیل کالج میگزین اگست ۱۹۲۸، [30] مآثر الکرام، فرد اول، ص ۲۳۳،

انھوں نے سب سے پہلے مُلا عبدالسلام دیوہ سے اکثر کتبِ درسیہ کی تحصیل کی اور اس کے بعد مزید علمی تشنگی کو بجھانے کی خاطر مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے علمی خزانوں سے مستفید ہونے کی اجازت چاہی، مولانا عبدالحکیم نے فرمایا کہ طالبانِ علم کا پہلے ہی بہت ہجوم ہے اس لیے علیحدہ وقت کی گنجائش نہیں۔ البتہ تم فلاں طالب علم کے وقتِ درس میں سماعت کر لیا کرو۔ میر اسمٰعیل نے اسی کو غنیمت جانا اور خاموشی کے ساتھ درس کی سماعت کرنے لگے، دورانِ سبق میں بالکل خاموش بیٹھے رہتے۔ گویا زبان پر مہرِ سکوت لگی ہے۔ اسی طرح ایک مدت گزر گئی، ایک دن خود ہی استادِ گرامی نے پوچھا:

"مدتہا گذشت گاہے حرفے از شما سر برنہ زد"

میر صاحب نے عرض کیا کہ اگر فقیر کو علیحدہ وقت دیا جائے تو "بقدرِ استطاعت حرف تواں زد"

مولانا عبدالحکیم نے یہ سُن کر عصر اور مغرب کے درمیان کا وقت سید اسمٰعیل کے لیے مقرر کر دیا۔ دوسرے ہی دن مستقل درس اور بحث کا جو آغاز ہوا ہے تو پھر اختتام کہاں۔ مغرب کی نماز کے بعد استاد اور شاگرد پھر متوجۂ درس ہوئے، یہاں تک کہ نمازِ عشا کا وقت آ گیا۔ جب مولانا عبدالحکیم نے دیکھا کہ "سررشتۂ سخن" کی کوئی انتہا نہیں ہے تو فرمایا: کل صبح سویرے تم میرے پاس آ جاؤ۔ تمام دوسرے اسباق کو موقوف کر کے ہم تم دونوں سب سے پہلے اسی مسئلۂ زیرِ بحث کی تحقیق و جستجو میں مصروف ہوں گے۔

دوسرے دن علی الصبح میر اسمٰعیل مولانا کی خدمت میں پہنچے۔ مدرسہ کے دوسرے تمام طلبا بھی موجود تھے۔ چاشت سے دوپہر تک یونہی بحث اور تحقیقِ مسئلہ ہوتی رہی اور پھر متواتر تین دن گزر گئے لیکن سلسلۂ بحث منقطع نہ ہو سکا۔ آخر کار مولانا عبدالحکیم نے پوچھا — اس مسئلہ کا کوئی حل تم پر بھی ظاہر ہوا ہے؟ شاگرد نے عرض کیا: فلاں فلاں محققّ نے اس سلسلے میں اس طرح تحریر کیا ہے — اور ساتھ ہی اپنا لکھا ہوا حاشیہ استاد کی خدمت میں پیش کر دیا۔

استاد نے وہ تحریر دیکھی اور عش عش کر اُٹھے۔ سید اسمٰعیل کے ذہنِ رسا پر جواہرِ تحسین نچھاور کیے۔ اور پوچھا: تحصیلِ شما از کجا است؟

عرض کیا: از خدمتِ مولوی عبدالسلام دیوہ

یہ جواب سُن کر مولانا عبدالحکیم کو شک گزرا کہ ہو سکتا ہے مولوی عبدالسلام نے میرا امتحان لینے کی غرض سے اپنے اس شاگرد کو میرے پاس بھیج دیا ہو اور اس خیال کا اظہار میر اسمٰعیل پر بھی کر دیا۔ لیکن میر صاحب نے

قسم کھا کر کہا کہ اس معاملے میں قطعاً کسی کا کوئی دخل نہیں ۔ اور محض بارادۂ استفادہ در جناب عالی رسیدہ ام۔

آزاد کا بیان ہے کہ میر اسماعیل نے بقیہ کتب مولانا عبدالحکیم ہی سے پڑھیں اور انھیں کی خدمت میں رہ کر اعلیٰ مدارجِ علمی تک پہنچے ۔ آخری عمر میں انھوں نے بلگرام ہی میں سکونت اختیار کرلی تھی اور طلبۂ علم کی ایک کثیر تعداد نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ ان کی وفات ۱۰۸۸ھ میں ہوئی۔[۳۱]

اگرچہ عام طور پر مشہور یہی ہے کہ نواب سعداللہ خان، مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے خواجہ تاش تھے اور ان دونوں نے حضرت مجدد الف ثانی کے ساتھ مُلا کمال کشمیری سے تحصیلِ علم کی لیکن تذکرۂ باغستان کے مطابق معاملہ یوں نہیں بلکہ سعداللہ خاں آپ کے تلامذہ میں سے ہیں ۔ چنانچہ لکھا ہے :۔

"و بالجملہ از رآیاتِ جلالِ او شاگردانِ صاحب کمال اند۔ ازاں جملہ است : مُلا سعداللہ مخاطب بسعداللہ خاں وزیر اعظم شاہجہان پادشاہ صاحبقران . . . ."[۳۲]

اس بیان کی روشنی میں سعداللہ خان، مولانا عبدالحکیم کے ہم سبق نہیں بلکہ تلامذہ کی صف میں نظر آتے ہیں۔ اور اگر یہ بیان درست ہے تو پھر اورنگ زیب عالمگیر بھی ایک واسطہ سے "فاضل لاہوری" کا شاگرد ٹھہرا۔ کیونکہ عالمگیر کے اساتذہ میں علامی سعداللہ خاں کا نام بھی آتا ہے۔[۳۳]

تصانیف

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کا دائرۂ تصنیف و تالیف بڑا وسیع ہے۔ آپ علمِ کلام، تفسیر، بلاغت، منطق، فلسفہ، نحو، اصولِ فقہ اور علمِ فرائض میں مہارت تامہ رکھتے تھے اور ان تمام علوم میں آپ نے کوئی نہ کوئی تالیف ضرور اپنی یادگار چھوڑی ہے۔ خاص طور پر منطق و فلسفہ اور اسلامی عقائد سے آپ کو گہری دلچسپی تھی ۔ آپ نے بعض مستقل تصانیف یادگار چھوڑی ہیں اور بہت سی معروف درسی کتابوں پر بھی آپ کے قابلِ قدر حواشی موجود ہیں۔ ان تعلیقات و حواشی کی بناء پر آپ علمی دنیا میں مشہور و معروف ہیں اور ہندوستانی علما کی صف میں آپ کا مقام بہت بلند ہے۔

محمد صالح کنبوہ کا کہنا ہے :

"بہ نیروئی کمالات خداداد و نہایت بمبدأ و معاد بر کتب معتبرہ کہ ہمگی از تصانیف استادانِ باستانست . . . . ."

---

۳۱ مآثر الکرام - دفتر اول ص ۵ - ۲۳۲ ، ۳۲ Journal Research Society of Pakistan. P.58)

۳۳ بزم تیموریہ ص ۲۲۳ - علمائے ہند کا شاندار ماضی ص ۳۴ - ۵۷۲

حواشی خرد پسند معنی طراز بقلم آوردہ[۳۴]۔"

ملا عبدالحمید لاہوری لکھتے ہیں :

"در فنون علوم بنامِ بادشاہِ دانش نواز تصانیفِ رائقہ دارد[۳۵]"

بختاور خان کا بیان ہے۔

"در فنونِ علوم . . . . مصنفاتِ مفیدہ پرداختہ، واز تصانیفش حاشیۂ بیضاوی وحاشیۂ مطول وحاشیۂ خیالی وغیرہ بغایت مشہور است و در مدارسِ علما وفضلا۔ مذکور[۳۶]"

اور سبحان رائے نے آپ کی مایۂ ناز تالیفات کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے :

"بر بعضے کتب حاشیۂ تصنیف نمودہ محلّلِ معانی مشکلہ گردید"۔[۳۷]

ہو سکتا ہے بعض لوگوں کی طبیعت "حواشی" سے بیزار ہو اور وہ "حاشیہ" کے نام سے چیں بجبیں ہو جائیں۔ ان کی خدمت میں ڈاکٹر زبید احمد کا یہ بیان پیش کیا جاتا ہے ؎ شاید کہ ترے دل میں اتر جائے مری بات!

In regard to the commentries and glosses compiled in India, it may be stated generally that they are often more useful and more copious than those produced outside India. For instance, Haji Khalifah speaks highly of the glosses of Abdul Hakim where ever he mentions them. Professor Margollouth has, to the credit of India, expressed his appreciation of a Hashiyat al-Baydawi composed in India, in his preface to Chrishtomathia Baidawiana.[۳۸]

حقیقت یہ ہے کہ جس زمانے میں مولانا عبدالحکیم نے جنم لیا وہ شروح وحواشی کا دور تھا اور وقت کے بڑے بڑے عظیم المرتبت فضلائے متقدمین کے فنون کی تشریح وتوضیح ہی میں مصروف تھے۔ اس لیے شروح وحواشی کو اس قدر نظرِ عتاب سے دیکھنا کچھ ایسا مستحسن امر قرار نہیں دیا جا سکتا بقول ڈاکٹر زبید احمد

It would be unjust to undervalue her.

۳۴ھ شاہجہان نامہ جلد سوم صفحہ ۳۷۶-۳۷۷ ، ۳۵ھ بادشاہ نامہ جلد اول حصہ دوم صفحہ ۳۴۴ ، ۳۶ھ مرآۃ العالم ورق ۴۹۲ ب

۳۷ھ خلاصۃ التواریخ صفحہ ۳۷ ، ۳۸ھ Contribution of India P. vi

(India's) contribution, meagre though it appear.[۳۹]

منشی محمد الدین فوق لکھتے ہیں:

" ہمارا یہ زمانہ ہوتا تو ایسے متن اور شرحیں دریا برد کر دی جاتیں۔ اور سہل کتابوں کی تلاش ہوتی کیونکہ ہم نے انگریزی علوم و فنون میں ہمیشہ سریع الفہم کتابیں داخل نصاب دیکھی ہیں . . . . . (مگر اس زمانے میں) اس تعلیم سے دماغی قوتوں سے یونہی مشق کرائی جاتی تھی۔ ہمارے زمانے کی سہل گیر طبیعتیں اس طرز کو ناپسند کریں تو تعجب نہیں، افسوس ان بزرگواروں پر ہے جو اسی چمن کی گلچینی کر کے گلفروش کہلائے اور اسی طرزِ تعلیم کی بدولت قوتِ فیصلہ سے بہرہ اندوز ہوئے اور پھر اپنے ہی بزرگوں کی محنت کو رائیگاں اور ان کی کوششوں کو بے سود مشہور کرنے میں سب سے سبقت کرنے اور نئی راہیں ڈھونڈنے لگے۔ وہ بزرگ ان کی بات سنتے تو یہی کہتے:

سخن شناس نہ دلبرا، خطا ایں جا است"[۴۰]

اس سلسلے میں فوق صاحب کے یہ جملے بھی سنتے جائیے!

اس کوشش اور کاوش میں بعض بزرگوں نے اپنا نصب العین اور زندگی کا مدعا ہی چمنستانِ علم کی نخل پیرائی اور مشکل کتابوں کی عقدہ کشائی کو قرار دیا۔ ان رہنمایانِ وادیٔ پُرخار میں میر سید شریف جرجانی، مولانا بحرالعلوم عبدالعلی لکھنوی، ہمارے مخدوم مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی یا ہمارے قریب تر زمانے میں مولانا عبدالحلیم لکھنوی اور ان کے فرزند مولانا عبدالحی لکھنوی صفِ اول میں جگہ پانے کے مستحق ہیں۔ ان بزرگوں کی بدولت سینکڑوں قابلِ قدر، بیش قیمت مگر مشکل تصانیف کے گراں بہا جواہر ریزے صاف و مجلّا ہو کر ہم تک پہنچے اور اسلامی لٹریچر کی نفیس سے نفیس نعمتیں اور باریک و لطیف بحثیں قیام و استحکام کا خلعت پہن کر اور سلاست و سہولت کے زیور سے آراستہ ہو کر نابینا کو بینا اور بے دست و پا کو کارفرما بنانے کا باعث بنیں۔ سمجھنے میں ہماری ہمت قصور کرے اور ہماری نظر شپرچشمی دکھائے تو چشمۂ آفتاب را چہ گناہ[۴۱]

خیر یہ تو ایک جملۂ معترضہ تھا ــــ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ، عہد شاہجہانی کے ان عظیم علما میں سے تھے جنھوں نے اپنے خونِ جگر سے گلستانِ علم کی آبیاری کی، درحقیقت آپ علمائے وقت کے بادشاہ اور تصانیفِ عالیہ کے مالک تھے، آپ کی شرحیں اور حاشیے ہمارے مکاتب کے انتہائی درجوں میں ابھی تک بڑی قدر و قیمت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں۔ بعد میں آنے والے علما کے ہاں ان تالیفات کی بڑی پذیرائی کی گئی، اور طالبانِ علم

---

۳۹ ایضاً P.H. ۴۰ سوانح ص ۶۲ ۴۱ ایضاً ۹

نے ان سے علم و فن کے موتی چنے۔ صاحبِ "روضۂ قیومیہ" کا کہنا ہے کہ مولانا عبدالحکیم نے ہر علم میں کوئی نہ کوئی کتاب ضرور تصنیف کی ہے۔ انھوں نے ہر ایک کتاب پر حاشیہ لکھا اور شرح کی ہے جس سے طلبہ فوائد کثیرہ حاصل کرتے ہیں بلکہ آپ کی شرح اور حواشی کے بغیر وہ کتاب حل ہی نہیں ہو سکتی[42]۔

محمد صالح کنبوہ نے آپ کی تالیفات کی حسبِ ذیل فہرست تحریر کی ہے[43]:

حاشیہ بر حاشیۂ بیضاوی، حاشیہ بر مقدماتِ اربعۂ تلویح، حاشیہ بر مطول، حاشیہ میر سید شریف، حاشیہ بر شرح مواقف، حاشیہ بر شرح عقائد تفتازانی، حاشیہ خیالی، حاشیہ بر شرح شمسیہ، حاشیہ بر شرح مطالع، حاشیہ بر شرح ملا، حاشیہ عبدالغفور، حاشیہ بر شرح ملا جلال الدین دوانی در اثباتِ علم۔ دیگر حواشی در کنارِ حاشیہ شرح حکمۃ العین، دیگر حواشی در کنارِ شرح ہدایۃ الحکمۃ۔ دیگر حواشی در کنار مراح الارواح۔

اس کے علاوہ آپ کی چند اور مصنفات و حواشی کا بھی پتہ چلتا ہے۔ آزاد بلگرامی نے ان میں حسب ذیل کا اضافہ کیا ہے: تکملہ حاشیہ عبدالغفور، درۂ ثمینہ در اثباتِ واجب تعالیٰ[44] آپ نے قطبی اور میر قطبی پر بھی حواشی لکھے[45]۔ اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی مشہور تصنیف غنیۃ الطالبین کا فارسی میں ترجمہ بھی کیا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ نے حضرت مجدد الف ثانی کی تائید اور تجدید الف کے اثبات میں بھی ایک رسالہ لکھا تھا جس کا نام "دلائل التجدید" رکھا۔ روضۂ قیومیہ میں اس رسالے کے متعلق لکھا ہے کہ اس میں مولانا عبدالحکیم نے نہایت قوی دلائل و براہین بیان کیے ہیں[46]۔ منشی محمد الدین فوق نے آپ کے ایک اور "حاشیہ بر شرح تہذیب" اور ایک کتاب "القول المحیط" کا بھی ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ یہ رسالہ منطق میں ہے۔ نیز سیالکوتی علی التصورات (علم منطق میں)[47]۔ ڈاکٹر زبید احمد نے پروفیسر براکلمان کے حوالے سے آپ کی ایک تصنیف زبدۃ الافکار کا ذکر بھی کیا ہے[48]۔ علاوہ ازیں دو اور حواشی حاشیہ الکشاف[49] اور حاشیۃ علی الحسامی[50] کو بھی آپ کی تالیف بتایا ہے۔

جیسا کہ اس سے پہلے بیان ہوا مولانا عبدالحکیم کی تالیفات کا تذکرہ اُن کے معاصرین نے شاندار الفاظ میں کیا ہے، آپ کے شروح و حواشی نہ صرف اسی زمانے میں بالکل مابعد عہد میں بھی ہمیشہ عزت و احترام

---

[42] سوانح ص ۴۸، [43] شاہجہان نامہ جلد سوم ص ۳۷۷ [44] مآثر الکرام ص ۲۰۵،
[45] Contribution of India P. 350 [46] سوانح ص ۳۲، [47] ایضاً ص ۵۲
[48] Contribution of India P. 327 [49] ایضاً ص ۳۲۲، [50] ایضاً ص ۲۷۶

کی نگاہوں سے دیکھے گئے اور جویانِ علم وفن اس چشمۂ فیض سے ہر دور میں سیراب ہوتے رہے، چنانچہ مولانا کی وفات کے ایک عرصہ بعد آزاد بلگرامی نے گواہی دی تھی کہ

له تصانیف غراء دائرۃ فی الامم، دائجۃ فی دیار العرب والعجم[۵۱]

ایک اور جگہ لکھتے ہیں

الحق در جمیع فنونِ درسی مثل او از زمینِ ہند برنخاست۔ آثارِ دانش باین کیفیت وکمیت وحسنِ قبول بر صفحۂ روزگار نگذاشت۔ تصانیفِ او در بلادِ عرب وعجم سائرہ ودائر است[۵۲]

اور ہمارے زمانے میں حافظ عبدالرحمٰن امرتسری جب ممالکِ اسلامیہ کی سیر وسیاحت پر نکلے، تو انھوں نے واپس آکر بتایا تھا کہ ڈھائی سو سال گذرنے پر بھی مولانا کی تصانیف آسمانِ علم پر شمع فروزاں کی مانند ہیں اور ان کی افادیت وقبولیتِ عامہ میں کوئی فرق نہیں آیا۔ وہ بیان کرتے ہیں:

عراق، شام اور استنبول کی متعدد درسگاہوں میں مجھے آپ کی تصانیف داخلِ درس دیکھنے کا موقع ملا۔ . . . ہندوستان سے باہر بلادِ اسلامیہ میں علمی حیثیت سے جو شہرت مولوی عبدالحکیم صاحب کو حاصل ہوئی اسے کوئی ہندوستانی مصنف حاصل نہیں کر سکا[۵۳]

مفتی محمد سرور نے آپ کی تالیفات کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

"تصانیف وے اگرچہ بسیار اند اما حاشیۂ تفسیرِ بیضاوی، دکتابِ مشہور، وتحشیہ وتکملہ وحاشیۂ عبدالغفور از مشہور ترین کتب مصنفہ ومؤلفہ ویست[۵۴]"

مولانا عبدالحی الحسنی، مولانا عبدالحکیم کو "صاحب التصانیف الفائقۃ والتالیف الرائقۃ" کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے:

تصانیفہ کلھا مقبولۃ عند العلماء محبوبۃ الیھم ولاسیما عند علماء بلاد الروم، یتنافسون فیھا وھی جدیرۃ بذلک[۵۵]

محمد المحبی نے آپ کو حسبِ ذیل الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا ہے

افنی کھولتہ وشیخوختہ فی الانھماک علی العلوم وحل دقائقھا ومضی من جلیھا

---

۵۱ سبحۃ المرجان ص۶۶، ۵۲ مآثر الکرام دفتر اول ص۲۰۲، ۵۳ سیاحتِ ہند ص۶۰-۵۹

۵۴ خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص۳۵۱، ۵۵ نزہۃ الخواطر ص۲۱۰ جلد پنجم۔

مفامضها على حقائقها، والّف مؤلفات عديدة . . . . وفضله اشهر من ان يذاد في وصفه[۵۶]

صاحب روضۃ الادبا لکھتے ہیں:

تصانیف آپ کی بڑی مفید ہے اور اہل علم اس کو بہت پسند کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے جو خیالی کا حاشیہ لکھا ہے اس کے حق میں کسی نے یہ شعر لکھا ہے:

خیالاتِ خیالی بس عظیم است　　　برائے حلِّ او عبد الحکیم است

اور تفسیر بیضاوی اور مطول پر حاشیہ اور عبد الغفور کا تکملہ نہایت عمدہ آپ نے لکھا ہے ۔ ماسوائے ان کے اکثر منطق کی کتابوں کی شرح اور حواشی آپ کے ہیں[۵۷]

مولوی فقیر محمد جہلمی نے آپ کا ذکر خیر "عالم، فاضل، فقیہ، محدث، مفسر، خصوصاً علمِ معقولات میں طاق، یگانۂ آفاق . . . . صاحبِ تصانیف عالیہ" کے الفاظ کے ساتھ کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آپ کی تالیفات آپ کی کمالیت و فضیلتِ علمی پر شاہد ناطق اور برہان قاطع ہیں[۵۸]

مولانا عبد الحکیم کی چند اہم تالیفات پر مختصر سا تبصرہ کرنے سے پیشتر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس بیان کو ڈاکٹر زبید احمد کے ان الفاظ پر ختم کیا جائے:

Abd al Hakim al-Siyalkuti who was an accomplished and eminent scholar.......His reputation as a learned commentator and writer of glosses spread during his life time so far as to reach Haji Khalifah, living at so distant a place as Constantinople, who has mentioned some of his works in his bibliography.[59]

چند اہم مؤلفات

علم تفسیر

حاشیہ تفسیر بیضاوی

ہندوستان میں تفسیر بیضاوی کی بہت سی شروح اور حواشی لکھے گئے، جن میں سے بقول ڈاکٹر زبید احمد

---

۵۶ خلاصۃ الاثر، الجزء الثانی ص ۳۱۸-۹ ، ۵۷ ص ۱۳۳ ، ۵۸ حدائق الحنفیہ ص ۴۱۲ ، ۵۹

CONTI BUTION OF INDIA P.31.

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کا حاشیہ سب سے زیادہ مشہور ہے اور اس کا مطالعہ بہ نسبت دوسرے شروح و حواشی کے سب سے زیادہ کیا جاتا ہے[60] تفسیر بیضاوی کا اہم ترین حصہ وہ ہے جو پہلی دو سورتوں (البقرہ، آل عمران) سے متعلق ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالحکیم نے بھی صرف اسی حصۂ تفسیر پر حواشی لکھے مگر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنے حواشی کو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکے۔ چنانچہ ان کا یہ حاشیہ دوسرے پارے کے ۳/۴ حصے تک موجود ہے۔

فاضل سیالکوٹی کا حاشیۂ تفسیر بیضاوی نہایت اعلیٰ پائے کا ہے، المحبی نے اس کی بڑے زوردار الفاظ میں تحسین کی ہے، وہ لکھتے ہیں:-

حاشیۃ علی تفسیر البیضاوی علی بعض سورۃ البقرۃ، رأیتہا و طالعت فیہا ابحاثاً دقیقۃ[61]

اس حاشیہ کی حسبِ ذیل اہم خصوصیات ہیں:

۱۔ مصنفِ علّام تفسیر بیضاوی کے مشکل الفاظ و محاورات کی نحوی اور لغوی تشریح و توضیح کرتے ہیں۔

۲۔ غیر واضح اور مغلق جملوں کی وضاحت و صراحت کی گئی ہے۔

۳۔ تفسیر بیضاوی میں بیان کردہ احادیث کا جائزہ لیا گیا ہے اس سلسلے میں محشّی، ان احادیث کی سند بیان کرتے ہیں جو علامہ بیضاوی نے چھوڑ دی تھیں اور جن کی طرف انھوں نے محض مختصراً اشارہ کیا تھا ان کا پورا متن لکھتے ہیں۔

۴۔ ان حواشی کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ علامہ سیالکوٹی حنفی ہونے کی حیثیت سے اپنے مکتب فکر کے تمام دلائل و شواہد کا پورا پورا دفاع کرتے ہیں۔ جبکہ علامہ بیضاوی شافعی مکتب کے پیروکار ہیں۔

فنِ تفسیر میں مولانا عبدالحکیم کی دوسری تالیف زمخشری کی الکشاف کا حاشیہ ہے جس کا مخطوطہ رام پور میں موجود ہے اور ابھی تک شائع نہیں ہوا۔[62]

علمِ کلام

علمِ کلام کی دو مشہور کتابیں العقائد النسفیہ اور الحقائد العضدیہ ہیں۔ عقائد نسفی کے

---

[60] ایضاً ص۳۱ ، [61] خلاصۃ الاثر جزء ثانی ص۳۱۸ ، [62] Contribution of India p 240

مصنف امام نجم الدین ابوحفص عمر بن محمد النسفی ہیں اور عقائد عضدی کے مصنف قاضی عضد الدین عبدالرحمن بن احمد الایجی۔ عقائد نسفی کی شرح علامہ سعد الدین مسعود بن التفتازانی نے لکھی اور عقائد عضدی کی تشریح و توضیح علامہ جلال الدین محمد بن سعد اللہ الدوانی نے کی۔ یہ دونوں کتابیں (مع متون و حواشی) علم کلام کی بیش بہا دولت ہیں اور درسگاہوں میں ان کا مطالعہ فن کا ایک ضروری جزو سمجھا جاتا ہے۔ بعد میں آنے والے علما نے ان سے بڑا اعتنا برتا اور ان کی (شروح کی) بے شمار شرحیں اور ان پر حاشیے لکھے گئے۔

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی نے بھی ان دونوں شرحوں کی مزید تشریح و توضیح کی طرف توجہ دی اور سچی بات یہ ہے کہ اس کا پورا پورا حق ادا کر دیا۔ جہاں تک شرح عقائد نسفی کا تعلق ہے مولانا عبدالحکیم نے مولانا احمد بن موسیٰ الخیالی کی شرح بر شرح تفتازانی کے حواشی لکھے ہیں۔ ان کی قدر و قیمت کا اندازہ حاجی خلیفہ کے ان الفاظ سے لگایا جا سکتا ہے:

وھی احسن الحواشی مقبولۃ عند العلماء[۶۳]

خیالی کی شرح کے اگرچہ بہت سے حواشی لکھے گئے ہیں (مثلاً قل احمد اور جند وغیرہ) لیکن مولانا عبدالحکیم کا حاشیۂ خیالی سب سے بہتر سمجھا جاتا ہے۔ اس میں آپ نے تمام مشکل مقامات کو اس طرح حل کر دیا ہے کہ طلبا کے لیے خیالی سمجھنا آسان ہو گیا۔ چنانچہ کسی نے کہا ہے:-

خیالاتِ خیالی بس عظیم است　　نہ در وے جائے قل احمد نہ جند است
مگر عبدالحکیم از رائے عالی　　رہا کرد از خیالاتِ خیالی!

عقائد عضدیہ کے حواشی مولانا عبدالحکیم نے علامہ دوانی کی شرح پر تحریر کیے ہیں۔

عضد الدین الایجی ہی کی ایک مشہور زمانہ تصنیف المواقف ہے جس کی شرح معروف فاضل سید شریف علی بن محمد جرجانی نے لکھی۔ جو شرح المواقف کے نام سے مشہور ہے۔ اس شرح کی پھر بے شمار شرحیں، حواشی اور حواشی بر حواشی لکھے گئے۔ شرح المواقف کی مزید تشریح و توضیح کرنے والے سب سے پہلے ہندوستانی مصنف مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی تھے جن کا نام اس تالیف کی عمدگی و برتری کا بذاتِ خود ضامن ہے[۶۴]

---

۶۳ کشف الظنون جلد ۴، ص ۲۲۵ ۶۴ Contribution of India P95

فلسفہ

ہدایۃ الحکمۃ شیخ اثیر الدین عمر الابہری کی تصنیف ہے جو خاص فلسفۂ عام کے بارے میں ایک مشہور کتاب ہے۔ اس کی دو بہت معروف شرحیں ہیں۔ ایک کے مصنف مُلّا حسین بن معین میبذی ہیں، اور دوسری کے ملّا صدر الدین محمد بن ابراہیم جو عام طور پر صدرائے شیرازی کے لقب سے جانے جاتے ہیں۔ مُلّا حسین کی شرح میبذی کے نام سے مشہور ہے اور ملّا صدر الدین کی صدرا کے نام سے ہدایۃ الحکمۃ کی یہ دونوں شرحیں ہمارے دینی مدارس میں بڑی قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھی جاتی ہیں اور ان کا مطالعہ بہت عام ہے۔ میبذی کے حواشی مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی نے لکھے جو حاشیہ علی المیبذی یا حاشیہ علی شرح ہدایۃ الحکمۃ کے نام سے مشہور ہیں اور متن میں بیان کردہ دقیق فلسفیانہ مسائل کے سمجھنے میں حد درجہ مفید ہیں۔

منطق

الشمسیہ نجم الدین الکاتبی کی منطقیانہ مسائل میں معروف تصنیف ہے۔ اس کی شرح قطب الدین محمود بن محمد نے، اور پھر اس کی شرح سید شریف جرجانی نے لکھی۔ پہلی شرح قطبی کے نام سے اور دوسری میر قطبی کے نام سے جانی جاتی ہے۔ مولانا عبدالحکیم نے ان دونوں پر حواشی لکھے۔ جو حاشیہ علی قطبی و میر قطبی یا حاشیہ شمسیہ کے نام سے مشہور ہیں اور منطق کے بحث طلب مسائل کے بارے میں فاضلانہ نکات سے بھرپور ہیں۔ یہ حاشیہ مولانا نے اپنے فرزند عبداللہ اللبیب کی فرمائش پر لکھا۔ جبکہ انھوں نے دورانِ اسباق رسالۂ شمسیہ کی مشکلات کے حل کے سلسلے میں اپنے والدِ محترم سے مدد چاہی تھی چنانچہ فاضلِ محشی خطبہ میں لکھتے ہیں :

فیقول الفقیر المسکین عبدالحکیم بن شمس الدین، قد سألنی الولد الاعز .... عبداللہ الملقب باللبیب، عند قراءۃ الشرح المنسوب الی الطود العظیم والمعتمد الجسیم والحواشی المعلقۃ علیہ للسید السند والحبر الاوحد ان اکتب ماسنح الذہن الکلیل فی حل مشکلاتہما واحرر ما یتقرر لدلاتی فی کشف معضلاتہما

یہاں "الطود العظیم والمعتمد الجسیم" سے مراد علامہ قطب الدین محمود بن محمد مصنفِ قطبی اور السید السند والحبر والاوحد سے مراد سید شریف جرجانی مصنفِ میر قطبی ہیں۔

مولانا کو احساس تھا کہ اگرچہ اُن سے پیشتر شمسیہ کی بہت سی شروح اور حواشی لکھے گئے لیکن وہ طالبانِ علم کے لیے بعض وجوہات کی بنا پر زیادہ مفید ثابت نہ ہو سکے۔ فرماتے ہیں:

لما أن ما علق علیھما الفضلاء مع استھتارھم بھما بعضھا غیر وافیة لوجود الطفرة وبعضھا غیر شافیة لعدم الطفرة وبعضھا محلة للاطناب غیر متعلق بالکتاب و بعضھا مخلة للاحتواء علی شکوک محیر للاطلاب

اور اسی لیے انھوں نے اپنے لیے "سالکا طریقة الاقتصار ومقتصرا علی ایراد ما یتعلق بحل الکتاب" کا انداز اختیار کیا۔ اور پھر اپنے اس حاشیے کی اہمیت بدیں الفاظ تحریر کرتے ہیں:

"فجاء بحمد اللہ کنزاً لا تحصی فوائدہ وبحراً لا تستقصی فرائدہ۔"

نحو

ابن حاجب کی تصنیف الکافیہ عربی گرامر کی قابلِ قدر کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ اس کی بہت سی شرحیں لکھی گئی ہیں۔ جن میں سے نامور فارسی شاعر ملا جامی کی شرح سب سے زیادہ مشہور ہے۔ مولانا عبدالحکیم نے شرح مُلا جامی پر دو مفصل حاشیے لکھے ہیں۔ جو حاشیہ علی حاشیہ عبدالغفور تکملہ، حاشیہ عبدالغفور اللاری کے نام سے دنیائے علم و ادب میں مشہور ہیں۔ عبدالغفور لاری ملا جامی کے شاگرد تھے۔ انھوں نے شرح جامی کا ایک حاشیہ لکھا جو نامکمل رہا۔ مولانا عبدالحکیم نے اس حاشیہ کا تکملہ بھی لکھا اور پھر عبدالغفور کے حاشیہ کی مزید وضاحت کے لیے بھی ایک الگ حاشیہ تحریر کیا۔ ڈاکٹر زبید احمد کے بیان کے مطابق آپ نے شرح جامی کا ایک مستقل حاشیہ بھی تحریر فرمایا، جس کے نسخے بعض یورپین لائبریریوں میں محفوظ ہیں۔ اس کا ایک مخطوطہ علی گڑھ میں بھی ہے[۶۵]۔

بلاغت

ڈاکٹر زبید احمد کا کہنا ہے کہ علم البلاغت کے دقائق اور باریکیوں کو سمجھنے والی اور ان کی تشریحات و توضیحات کرنے والی سب سے بڑی شخصیت جسے سرزمین ہند نے جنم دیا، مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کی تھے[۶۶]۔ آپ نے سعد الدین تفتازانی کی قابلِ قدر تصنیف مطوّل کا ایک نہایت مفید اور مفصل حاشیہ لکھا جو قسطنطنیہ سے طبع ہو چکا ہے اور ترکی اور ہندوستان کے علما سے خراجِ تحسین حاصل کر چکا ہے۔

---

۶۵ Contribution of India p. 406 ۶۶ ایضاً ص ۱۷۹

ترجمہ غنیۃ الطالبین

غنیۃ الطالبین حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی مشہورِ عالم تصنیف ہے ۔ مولانا عبدالحکیم نے اس کا فارسی ترجمہ اپنے وقت کے ولیِ کامل اور شیخ عارف بلاول قادری لاہوری کی فرمائش پر کیا ۔ اس ترجمہ کے ساتھ ہی بطور وضاحت مولوی عبداللہ اللبیب کا خطبہ بھی موجود ہے جو بکمالہ یہاں درج کیا جاتا ہے جس سے معلوم ہوگا کہ ترجمہ شیخ جیلان کی اجازتِ روحانی سے کیا گیا :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ سپاس بے نیازی است کہ بحق اوائے آں نیاز مند بارگاہ خویش را از غیر بے نیاز کند وطالبانِ صادق را بمطالبِ اصلی واصل سازد ۔ و درود مسعود سرور سروراں است کہ وصال جویان را بآں نردبان بمعراج کمالِ انسانی رساند ومحرم نہاں خانہ جمع گرداند ۔

ایں نسخہ ترجمہ کتاب غنیۃ الطالبین است کہ باستدعائے شیخ شیوخ ولی وقت ، عارفِ کامل ، سالارِ طائفہ اخیار ، شیخ بلاول قادری لاہوری رحمۃ اللہ علیہ ، حضرت شیخنا شیخ الآفاق ، استاد الکل فی الکل علی الاطلاق ، عالم نحریر ، متقن ، جامع علوم اولین وآخرین ، ابی واستاذی ووثیقی عبدالحکیم بن شیخ شمس الدین قدس سرہما العزیز نوشتہ اند وصورتِ واقعہ چنیں بود کہ آنحضرت پس از استدعائے شیخ استخارہ کردند و در استخارہ اجازتِ نوشتنِ ترجمہ نیافتند ۔ چوں حسبِ وعدہ کہ شیخ بود طلب ترجمہ کرد ۔ عدمِ اجازت در جواب گفتند ۔ شیخ کیفیتِ ترجمہ کہ بہ قصدِ آں استخارہ واقع شد استفسار کرد ۔ گفتند کہ ترجمہ خلاصۂ مطلبِ ایں کتاب مستطاب پیشِ نہادِ خاطر داشتہ استخارہ بوقوع آمد ...... اجازت نیافت ، بلکہ صریح منع واقع شد ۔ شیخ گفت کہ چوں فہمِ ایں ترجمہ بعبارتِ فارسی سہل المأخذ ، ناسخ ایں نسخۂ سنیہ می شود ازیں سبب اجازت نشد ومن چوں بعبارتِ عربیہ آشنا نیستم ترجمۂ الفاظِ ایں کتاب رامی خواہم کہ از مثلِ شما استد داشتہ باشم وہنگام عمل محتاج باستفسار از دیگرے نشوم ۔

چوں بایں قصد استخارہ کردند اجازت شد ۔ ایں ترجمہ بتحریر آمد ۔

ایں مقالہ فقیر عبداللہ الملقب باللبیب از زبانِ حقائق تبیان حضرت قدس اللہ سرہ العزیز شنیدہ ، در اوّلِ ایں نسخہ نوشتہ شد تا بر طالبانِ صادق معلوم بود نسخہ از انتحال مامون ومصئون شد ۔

الرسالۃ الخاقانیہ

بیانِ مذکورہ بالا سے واضح ہے کہ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ ایک عالم بے بدل اور صاحبِ تصنیفات

عالیہ تھے۔ آپ کی تالیفات و تصنیفات کی یہ شان ہے کہ وہ نہ صرف یہ کہ مابعد کے زمانے میں مشہورِ عالم ہوئیں۔ آج تک بھی دینی درس گاہوں میں ان کی قدر و منزلت میں کوئی فرق نہیں آیا، بلکہ خود مصنفِ علام کے اپنے عہد میں ان کی شہرت و عظمت کا پھریرا چار دانگِ عالم میں لہرا رہا تھا۔ ڈاکٹر زبید احمد لکھتے ہیں:

> He was an eminent theologian, well versed in all the branches of Islamic learning. Shahjahan had a high regard for him. He wrote several books the reputation of which spread far and wide in his life time.

اوپر مولانا کی تالیفات کی ایک فہرست بھی تحریر کی جا چکی ہے، اس پر نظر ڈالنے سے محسوس ہوتا ہے کہ آپ نے زیادہ تر علومِ مروجہ کی مشہور درسی کتابوں کے حواشی لکھنے پر اکتفا کیا اور آپ کی مستقل تصانیف دو چار ہی ہیں۔ مگر پیشتر ازیں ان شروح و حواشی کی قدر و منزلت بھی واضح کر دی گئی ہے۔

مولانا عبدالحکیم کی سب سے اہم اور عظیم الشان تصنیف "الرسالۃ الخاقانیہ" ہے جسے الدرۃ الثمنیۃ فی علم الواجب تعالیٰ کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ یہ علمِ کلام کی ایک معرکۃ الآرا کتاب ہے جو اس وقت دنیا کے مختلف کتب خانوں میں غیر مطبوعہ صورت میں محفوظ ہے اور اس کے چند نسخے پاکستان میں بھی موجود ہیں۔ مولانا عبدالحی لکھنوی نے اس کا ذکر اپنی تصنیف الثقافۃ الاسلامیۃ فی الھند میں علم کلام سے متعلق ان کتابوں کے سلسلے میں کیا ہے جو مستقل تصانیف کا درجہ رکھتی ہیں۔

مولانا عبدالحکیم کی اکثر و بیشتر تصانیف شاہجہان بادشاہ کے نام معنون ہیں، جو اُن کا مربّی اور بڑا قدر دان تھا۔ چنانچہ اپنی اس گراں مایہ تصنیف کا انتساب بھی اسی حکمران کی طرف کیا ہے، اور اسی لیے اس کا نام الرسالۃ الخاقانیہ رکھا گیا۔ کتاب کے آخر میں لکھتے ہیں:

"لیکن ھذا اٰخر ما قصدنا ایرادہٗ فی ھذہ الرسالۃ الخاقانیۃ"

اسلامیہ کالج پشاور کی لائبریری والے نسخے کے مطابق الرسالۃ الخاقانیہ کی تصنیف ۱۰۵۷ھ میں ہوئی۔ اصل عبارت یہ ہے:

"شارعًا فی تحریرہ ضحوۃ یوم الجمعۃ خامس شھر ربیع الثانی، متمًا فی اٰخر یوم

الجمعۃ ثانی عشر منہ من سنۃ الف وخمسین وسبع"۔

نیشنل میوزیم کراچی کے مخطوطے کے مطابق اس کا سن تصنیف ۱۰۴۷ھ ہے۔ ......

"شارعًا فی تحریرہ یوم الجمعۃ خامس شہر ربیع الثانی ۱۰۴۷ھ منہیًا بتبئیضہ فی آخر الجمعۃ ثانی عشر منہ"

تاریخی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو نسخۂ پشاور میں بیان کردہ سن تصنیف صحیح قرار پاتا ہے کیونکہ جس سلسلے میں یہ کتاب دربارِ ایران کو بھیجی گئی (مفصل ذکر آئندہ آ رہا ہے) وہ واقعہ ۱۰۵۷ھ ہی میں پیش آیا۔ نہ کہ ۱۰۴۷ھ میں۔

الرسالۃ الخاقانیہ کا سببِ تصنیف یہ ہے کہ ایران کے حکمران شاہ صفی کی وفات پر جب اس کا بیٹا شاہ عباس دوم تخت نشین ہوا تو شاہجہان نے مرحوم شاہ کی تعزیت اور شاہِ عباس کی تخت نشینی پر ہدیۂ تبریک پیش کرنے کے لیے اپنے ایک امیر جان نثار خاں کی زیر قیادت ایک سفارت ایران بھیجی جس میں محمد فاروق (مشرف) اور محب علی (وقائع نویس) بھی شامل تھے۔ ملا عبدالحمید لاہوری کا بیان ہے:

وہژدہم این ماہ (صفر ۱۰۸۶ھ) اورا (جان نثار خان) بخلعت و جمدہر وباضافہ پانصدی ذات دو ہزاری پانصد سوار ...... سرافراز ساختہ دستوری دادند ..... مصحوب او گرامی مرسلہ منبی از مراسم تعزیت ومبنی از لوازم تہنیت کہ علامی سعداللہ خان بامر اعلیٰ انشا نمودہ بانحتی مرصع آلات و پنج ہزار پارچہ ..... برسم ارمغان ارسال فرمودند[۶۷]

یہ سفارت جب ایران پہنچی تو ایرانی امرا سے اُن کی خوب ملاقاتیں رہیں اور علمی محفلوں کا انعقاد عمل میں لایا گیا۔ یہاں تک کہ ایران کے وزیر اعظم خلیفہ سلطان اعتماد الدولہ نے اِن ہندوستانی علما کے ساتھ بے تکلفانہ معقولات کے مسائل پر گفتگو کی۔ یاد رہے کہ مغلیہ دور میں ہندوستان علومِ عقلیہ کا گہوارہ سمجھا جاتا تھا۔ اور یہاں اس وقت بڑے بڑے منطقی اور فلسفی علما موجود تھے۔ محمد فاروق اور محب علی کو اپنی فلسفہ دانی کا بڑا غرہ تھا۔ ادھر وزیر ایران بھی ایک عالم وفاضل انسان تھا اس نے ان حضرات سے سوال کیا کہ امام غزالیؒ نے قدم عالم، علمِ واجب تعالیٰ اور نفی حشر اجساد کے سلسلے میں ابونصر فارابی اور ابن سینا کی تکفیر ہے۔ مگر بعض علما نے ان مسائل کے بارے میں تاویل سے بھی کام

---

۶۷ بادشاہ نامہ جلد دوم ص ۴۹۳

لیا ہے۔ فرمائیے آپ کی کیا رائے ہے؟

سفارتِ ہند کے ارکان وزیر ایران کے ان فاضلانہ سوالات کا کافی و شافی جواب نہ دے سکے۔ اور یہ علومِ عقلیہ میں ہندوستان کی عالمی شہرت کو خاصا دھچکا لگا۔ علمی میدان میں اس "شکست" کی خبر شاہجہان کو کابل میں پہنچی۔ بادشاہ نامہ کے مطابق وہ ۱۸ صفر ۱۰۵۷ھ کو لاہور سے روانہ ہوا تھا اور آخر ربیع الاول کو کابل پہنچا[٦٥]۔ اگرچہ بادشاہ کو اس خبر سے بہت افسوس ہوا مگر وہ ایران کے مقابلہ میں اتنی جلدی شکست تسلیم کرنے والا نہیں تھا۔ اس نے مزید وقت ضائع کیے بغیر فوراً اپنے وزیر اعظم مُلّا سعد اللہ خان کو حکم دیا کہ مُلّا عبدالحکیم سیالکوٹی کو خط لکھا جائے کہ وہ مسائلِ ثلاثہ مذکورہ کے سلسلے میں ایک مختصر مگر جامع رسالہ لکھ کر دربار میں روانہ کر دیں۔

سعد اللہ خاں نے مولانا عبدالحکیم کو دس پندرہ دن کے اندر اندر رسالہ لکھنے کی فرمائش کی تھی، مگر انھوں نے صرف ایک ہفتہ میں ایک جامع و مانع اور مسائل مذکورہ پر حاوی تصنیف پایۂ تکمیل کو پہنچا دی۔ اگرچہ آخری چند صفحات میں مولانا نے حشرِ اجساد اور عالم کے حادث و قدیم ہونے کے بارے میں بھی فاضلانہ بحث کی ہے لیکن آپ کے پیشِ نظر اہم مسئلہ علم باری تعالیٰ کا تھا۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ آپ کی اس تصنیف کو الخاقانیۃ فی مبحث العلم، الرسالۃ الخاقانیۃ فی علم الباری، رسالہ عبدالحکیم سیالکوٹی فی علم الواجب تعالیٰ وغیرہ ناموں سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

ڈاکٹر زبید احمد نے اپنی کتاب Contribution of India to Arabic Literature میں P. 96-98 کے تحت Text Book of Scholastic Theology صرف دو کتابوں کا ذکر کیا ہے، جن میں سے پہلی مولانا عبدالحکیم کی یہی تصنیف ہے اور دوسری شیخ عبدالوہاب المعروف بہ منعم خان قنوجی کی بحر المذاہب۔ الرسالۃ الخاقانیہ کے متعلق وہ لکھتے ہیں:

The tract is interesting and lucid in its manner of discussing the subject.

الرسالۃ الخاقانیہ کو دو ابواب میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

پہلا باب علم باری تعالیٰ کے مسئلے سے تعلق رکھتا ہے، اور اس میں اسی مسئلے کی تشریح و توضیح کی گئی ہے، یہ باب پھر تین ابحاث پر مشتمل ہے پہلی بحث علم باری تعالیٰ کے اثبات سے متعلق ہے۔ دوسری

---

[٦٥] دیکھیے بادشاہ نامہ صفحات ۴۳۸، ۴۷۸ جلد دوم

سے کیفیتِ علم باری کی وضاحت مقصود ہے اور تیسری علمِ باری کی عمومیت کو اجاگر کرتی ہے۔

(اثباتِ) علمِ باری تعالیٰ کے سلسلے میں مصنف تحریر کرتے ہیں کہ اسے ماسوائے چند قدیم فلاسفہ کے باقی سب تسلیم کرتے ہیں۔ یہ چند قدما جو علمِ باری کی نفی کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ اگرچہ خداوند تعالیٰ تمام کائنات کا خالق ہے لیکن اس کی یہ تخلیق بدونِ علم ہے اور اسے اپنی تخلیقات کے بارے میں کوئی معلومات حاصل نہیں ہیں۔ اس کی مثال میں وہ سورج کو پیش کرتے ہیں۔ سورج کی شعاعیں اس میں سے پھوٹ کر ساری کائنات کو منور کرتی ہیں لیکن خود سورج اپنی اس عالمگیر صفت سے آشنا نہیں ہے، اور اس کا اس نور بکھیرنے میں کوئی ذاتی دخل نہیں بلکہ اس سے یہ عمل اس کی فطرت کے تحت ظہور پذیر ہوتا ہے۔

سیالکوٹی فاضل نے قدما کے اس عجیب و غریب عقیدہ کا بڑا تسلی بخش جواب دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ خدا تعالیٰ کی ذات غیر عالم ہے تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ وہ (معاذ اللہ) جاہل ہے ـــــ اور یہ وہ بات ہے جسے کوئی عقلمند انسان باور نہیں کرے گا۔

علم باری تعالیٰ کے اثبات کے خلاف قدما کی ایک اور دلیل بھی ہے وہ کہتے ہیں کہ علم ایک نسبت ہے اور نسبت ہمیشہ دو مختلف چیزوں کے درمیان ہوتی ہے یعنی علم کے سلسلے میں ہمیں دو مختلف چیزوں کا وجود تسلیم کرنا ہوگا، ایک جاننے والا اور دوسرا جسے جانا گیا۔ اگر خداوند تعالیٰ عالم ہے تو اسے اپنی ذات کا علم بھی ہونا چاہیئے اور یہ لغو اور خلافِ عقل بات ہوگی کیونکہ اس سے خدا کے بارے میں دو مختلف وجودوں کو تسلیم کرنا پڑے گا۔

مولانا عبدالحکیم نے اس اعتراض کا جواب دو طریقوں سے دیا ہے، پہلی بات تو یہ ہے کہ علم نسبت نہیں بلکہ "صفتہ ذات نسبۃ" ہے (an attribute having relation) دوسرے اگر علم کو نسبت ہی سمجھا جائے تو بھی اس میں کوئی اشکال نہیں۔ اور اس سے خدا تعالیٰ کی ذات کے سلسلے میں ہمیں "دوئی" کا شکار نہیں ہونا پڑتا۔ کیونکہ ایک ہی چیز بیک وقت داخلی اور خارجی کیفیات کی حامل ہو سکتی ہے۔

دوسری بحث کا تعلق کیفیتِ علم باری سے ہے۔ مولانا عبدالحکیم کہتے ہیں کہ علم باری یا تو عینِ ذاتِ باری ہے یا اس سے الگ شئی۔ اگر کوئی الگ چیز ہے تو پھر یا قائم بنفسہ ہے یا قائم بذاتہ تعالیٰ۔

قدیم فلاسفہ کا کہنا ہے کہ علم باری عینِ ذاتِ باری ہے لیکن اشاعرہ کہتے ہیں کہ وہ قائم بذاتہ تعالیٰ ہے۔ صفاتِ باری کے سلسلے میں اشاعرہ کا عقیدہ "لا عین ولا غیر" ہے۔

افلاطون نے علم باری کی تعریف "صور قائمۃ بنفسھا" کے الفاظ سے کی ہے۔

تیسری بحث یعنی عمومیتِ علم باری تعالیٰ کے متعلق ہے مولانا کا نظریہ یہ ہے کہ وہ جزئیات و کلیات سب پر محیط ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس عقیدے پر تمام اہلِ ملل کا اتفاق ہے کہ خداوند تعالیٰ ہر چیز کا علم رکھتا ہے چاہے وہ موجود ہے یا معدوم، جزئی ہے یا کلی۔ جبکہ فلاسفہ کی اکثریت اللہ تعالیٰ کے علم بالجزئیات کی منکر ہے۔

کتاب کے دوسرے باب میں مولانا عبدالحکیم نے دوسرے دو مسائل —— حشر و نشر اجساد اور حدوث و قدمِ عالم —— سے بحث کی ہے، اور امام غزالی کی رائے (تکفیر فلاسفہ) پیش کرنے کے ساتھ ساتھ بعض دوسرے علما و فلاسفۂ اسلام کے نظریات بھی نقل کیے ہیں۔ محقق دوانی اور امام رازی کی رائے بطور خاص قلمبند کرنے کے بعد اپنی رائے کا بھی اظہار کر دیا ہے:

"اقول تکفیرھم بانکار الحشر الجسمانی حق لانہ مما نطق بہ الکلام المجید"

اور نفیِ قدمِ عالم کے بارے میں لکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں واضح طور پر "انشقاق السمٰوٰت وطیھا وفنائہا" کے نظریات موجود ہیں۔

رفاہی ادارے

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی صرف ایک عالم دین اور ایک زبردست مصنف ہی نہیں تھے بلکہ اپنے قدردان بادشاہ — شاہجہان — کی طرح آپ کو بھی تعمیرات اور رفاہِ عامہ کے کاموں کا بہت شوق تھا۔ ان تعمیری کاموں میں آپ کی گہری دلچسپی کی شہادت آپ کے مولد و مدفن۔ سیالکوٹ میں آپ کی بنا کردہ بعض ان عمارتوں سے اب بھی مل سکتی ہے جو اس شہر میں تین سو سال سے زیادہ عرصہ گزرنے کے باوجود قائم ہیں۔

شاہجہان نے سیالکوٹ میں آپ کو ایک بہت بڑی جاگیر عنایت کی تھی، علاوہ ازیں کئی مرتبہ نقد انعام و اکرام کی صورت میں آپ کو نوازا گیا۔ اور دو مرتبہ آپ کو چاندی میں تلوایا۔ ان سب باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ کی زندگی بسر کرتے تھے اور اللہ کی نعمتوں سے

متمتع ہونے کا پورا پورا ذوق حاصل تھا - لیکن ذاتی آرام و آسائش کی زندگی گذارنے کے باوجود آپ نے اپنے شہر کے بسنے والوں اور مسافروں کی ضروریات سے کبھی چشم پوشی نہ کی اور اس مقصد کے پیش نظر رفاہی اداروں کے قیام میں بڑھ چڑھ کر دلچسپی لی -

آپ نے اپنی قیامگاہ کے قریب ہی ایک عظیم الشان مدرسہ اور مسجد تعمیر کی - یہ وہی مدرسہ ہے جہاں آپ کے زمانے میں نہ صرف ہندوستان بلکہ بیرون ہند سے بھی طلبہ کی ایک کثیر تعداد ہروقت موجود رہا کرتی تھی - اس عظیم الشان مدرسہ میں طلبہ کو مفت تعلیم دی جاتی تھی اور ان کی روزمرہ کی تمام ضروریات بھی مولانا خود ہی پوری کرتے تھے - مولانا کی تعمیر کردہ مسجد آج بھی سیالکوٹ کے تحصیل بازار - محلہ میانہ پورہ میں موجود ہے - منشی محمد الدین فوق لکھتے ہیں کہ میانہ پنجابی زبان میں مسجد کے ملا (خطیب و امام) کو کہتے ہیں اور چونکہ یہاں مدرسہ اور مولانا کی رہائش کی وجہ سے اکثر طالبانِ علم اور درویش رہا کرتے تھے اس لیے اس جگہ کا نام ہی میانہ پورہ مشہور ہو گیا - اور یہ نام مولانا کے زمانہ ہی سے چلا آتا ہے[۴۹]

لالہ امین چند "تواریخ سیالکوٹ" (ص ۲۹۴) میں لکھتے ہیں :

"ان کا مدرسہ بڑا نامی گرامی تھا - چنانچہ اس موضع کا نام ـــ میانہ پورہ انھیں کے باعث مشہور ہے -

مفتی غلام سرور قریشی مصنف "تاریخ مخزنِ پنجاب" (ص ۲۵۵) نے بھی اس بات کی تائید کی ہے کہ یہ محلہ مولانا عبدالحکیم ہی کی وجہ سے مشہور ہے اور اسے آپ ہی نے بعہدِ شاہجہان آباد کیا تھا -

ڈاکٹر جی ایم ڈی صوفی اپنی کتاب KASHIR میں بیان کرتے ہیں کہ اس مسجد کے اندر محراب میں یہ عبارت کندہ ہے : تاریخ ھذا المسجد من بانیہ ـــ لہ البیتُ فی الجنۃ ثم خط کشیدہ الفاظ مسجد کا سنِ تعمیر (۱۰۵۲ھ) بتاتے ہیں - ڈاکٹر صوفی کے اس بیان کی تائید فوق صاحب نے بھی کی ہے - وہ مزید لکھتے ہیں کہ مسجد کے باہر کچھ زمین عرصہ دراز سے خالی پڑی ہوئی تھی - مولانا ابراہیم میر مرحوم کے والد مستری قادر بخش صاحب نے کمیٹی سے خرید کر یہ جگہ مسجد کے نام وقف کر دی - ۱۹۱۹ء میں یہ زمین صحنِ مسجد میں شامل کر کے مسجد کی توسیع کی گئی - اور ایک فوارہ اور حوض بھی تیار ہوا جو پانی سے لبریز رہتا ہے[۵۰]

مولانا عبدالحکیم نے مسافروں کے لیے ایک بہت بڑی کارواں سرائے اور حمام بھی تعمیر کروائے -

---

۴۹ سوانح ص ۲۲-۲۵ ۵۰ ۵۱ سوانح ص ۲۴

کہا جاتا ہے کہ انگریزوں نے ۱۲۷۵ھ میں اس عمارت کو خیراتی شفاخانے میں بدل دیا[۵۲]۔ بعد میں اسی ڈسپنسری نے موجودہ سول ہسپتال کی صورت اختیار کی۔

مولانا عبدالحکیم نے ایک خوبصورت باغ کی بنیاد بھی ڈالی تھی جس کے گرد اگرد ایک مضبوط دیوار بھی تعمیر کی گئی۔

منشی فوق لکھتے ہیں:

"راقم الحروف ۱۹۲۰ء میں وہاں گیا۔ ایک دو آموں کے درخت نظر آتے، ایک کنواں جاری تھا اور اس کے ساتھ کچھ مزروعہ اراضی تھی۔ اسی جگہ مولانا کی قبر بھی ہے، پوچھا مولانا کا باغ کہاں ہے؟ جواب ملا یہی باغ ہے جہاں تم کھڑے ہو! اور جہاں یہ کھیت نظر آ رہے ہیں۔"

افسوس! اب نہ باغ ہے نہ فصیل، نہ کوئی بارہ دری نہ عمارت!

مولانا عبدالحکیم کی جیتی جاگتی یادگار سیالکوٹ کا ایک بہت بڑا تالاب بھی ہے، بیان کیا جاتا ہے کہ اس کی تعمیر پر لاکھوں روپے خرچ ہوئے تھے۔ اس میں پانی براہ راست دریائے چناب سے ایک نہر کے ذریعے لایا جاتا تھا، جس کے آثار بعد کے دور تک بھی موجود تھے۔ سکھوں کے زمانے میں اس تالاب کی ملحقہ عمارتیں، برجیاں اور پل سب پیوند زمین ہو گئے[۵۳]۔

لالہ امین چند "تالابِ سیالکوٹ" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

"یہ وہی تالاب ہے کہ جو مولوی عبدالحکیم کے زمانے میں بنوایا تھا مگر مدت سے اَٹ گیا تھا۔ اب بعد غدر جناب مسٹر پرنسیپ صاحب بہادر کی ایما سے باہتمام سید قائم علی صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ، چودھریانِ شہر نے تیار کرایا اور کچھ روپیہ سرکار نے بھی عطا کیا۔ گویا کل اس شہر میں یہی ایک تالاب ہے[۵۴]۔"

بعد کے دور میں یہی تالاب مقامی بجلی گھر کے پانی کے ذخیرے کے طور پر استعمال کیا جاتا رہا ہے۔

شہر سیالکوٹ کے مغربی جانب مولانا عبدالحکیم کی تعمیر کردہ عیدگاہ آج تک موجود ہے۔ اس میں ہزاروں بندگانِ خدا سال میں دو مرتبہ اپنے معبودِ حقیقی کے حضور سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ آجکل اس عیدگاہ کا انتظام مقامی انجمن اسلامیہ کے ذمے ہے اس کی چاردیواری پرانی "سیالکوٹی" اینٹوں کی ہے۔ اور کہیں کہیں مغلیہ دور کی عظیم الشان عمارتوں کے مخصوص نقش ونگار اور خوبصورت بیل بوٹے ابھی تک دیکھے جا

---

[۵۲] سوانح ص ۲۵ [۵۳] ایضاً ص ۲۶، [۵۴] تواریخ سیالکوٹ ص ۲۹۴۔

جا سکتے ہیں۔

منشی محمد الدین فوق کا بیان ہے کہ اس عیدگاہ کے چار دروازے تھے اور ہر دروازے پر نہایت بلند مینار بھی تعمیر کیے گئے تھے۔ بہ مرورِ ایام، دیوار اکثر جگہ سے شکستہ ہو گئی۔ ۱۲۸۷ھ میں بعض مخیر لوگوں نے مل کر روپیہ اکٹھا کیا اور عیدگاہ کی مرمت کرائی گئی[۵۷۵]

گیارھویں صدی ہجری کے اس عظیم انسان کے حالاتِ زندگی، اس کی اولاد اور تلامذہ، قابلِ قدر تصانیف اور رفاہی اداروں کا تذکرہ کیا جا چکا ہے، اب سب سے آخر میں آپ کے ہمعصر مورخ محمد صالح کنبوہ نے جن شاندار الفاظ میں آپ کا ذکرِ خیر کیا ہے۔ انھیں یہاں بعینہٖ نقل کیا جاتا ہے، تاکہ معاصرین کی نگاہوں میں اس مفکر کی جو قدر و منزلت تھی اس کی ایک جھلک دیکھی جا سکے:

حبرِ محقق تحریرِ مدقق، سرآمد دانشورانِ واجب التعظیم مولانا عبدالحکیم۔ منشاء و مولدش قصبۂ سیالکوٹ از مضافات دارالسلطنت لاہوراست و مراتبِ شہرت ذکرِ فضائلش از لیالی و ایام و شہور و عوام اشہر۔ اگر او را ثالثِ معلمین خوانند می شاید و اگر عقل حاوی عشر دانند می سزد۔ آنجناب در آغازِ حال از دبستانِ تعلیم الٰہی ادب آموزی کردہ واز دانش کدۂ فضلِ لامتناہی حکمت اندوزی نمودہ در آخر کار پردہ کشائی اسرارِ عالم سواد و بیاض گشت و بہ نیروی کمالاتِ خدادادو نہایت معرفت بمبداء و معاد بر کتب معتبرہ کہ ہمگی از تصانیف اوستادان پاستانست و تفصیل آں در ذیل ایں صحیفہ مرقوم حواشی خرد پسند معنی طراز بقلم آوردہ دیباچۂ ہرکدام را بنام نامی حضرت ثانی صاحبقران شاہ جہان بادشاہ مزین ساخت و مدتِ شصت سال صدر نشین مدرسۂ تلقینِ سنن و فرائض شرعِ نبوی صلوات اللہ وسلامہ علیہ و علیٰ آلہ و صحبہ بودہ، از برکاتِ ذاتِ عالی درجات و میامن مکارم صفاتِ حمیدۂ خویش پنجاب بلکہ ہندوستان را لبریز فیضِ جاوید داشت۔ رفتہ رفتہ علم علم در عرصۂ تفرد بعنوانی بر افراخت کہ سائر آموزگاران روزگار ان روزگار در پیشش دبستان گزین استفادۂ فنونِ دانش گشتہ و جملہ ادبائے سخن پرداز مانندِ کودکان حرف شمار در جنب کمالاتش بشمار آمدند بلکہ اربابِ دانش و اصحاب فطرتِ کامل ادیب یونان را از تہجی خوانان دبستان ادب آموزش و عقل دانش افروز را جزو کش مدرسۂ تعلیمش تصور نمودہ بدیں تجویز درست خود را صاحب تمیز کامل دانستند۔

بالجملہ آں صاحبِ فضائل صوری و معنوی حقِ عظیم بر سائر اربابِ فضل ثابت کردہ در سالِ ہزار و شصت و ہفت ہجری متوجہ دارالبقا گردید[۵۷۶]

۵۷۵ھ سوانح ص۲۶

۵۷۶ھ عمل صالح جز سوم ص۳۸۳

قصیدہ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی

از: ابوعبداللہ محمد فاضل بن سید احمد اکبرآبادی المدعو بمظہرالحق (م: ۱۱۰۱ھ) مصنفِ مخبرالواصلین)

عالم و عامل و خدا آگاہ ! بود عبدالحکیم رضواں جاہ
حلمش از سینہ سرکشید باوج راست چوں بحر در تلاطم موج
دل و طبعش بہم بعلم و یقین نہر خلد و فیہ ماء معین
مجتہد در زمانہ ام بودہ اجتہادش اگرچہ ننمودہ
ہمسرِ او نبودہ ہیچ کسے گرچہ بودند اہلِ علم بسے
بود او بوحنیفۂ ثانی بکمالاتِ علم ربانی
مکی و یثربی و تورانی رومی و ہندی و خراسانی
ہر یکے کمترین شاگردش بادب بودگرد بر گردش
ہر معلم کہ اوّل و ثانی ست پیشِ او کودکِ دبستانی ست
وصفش از حد و عد فروں آمد مدحش از گفتگو بروں آمد
شہر لاہور زو معطر بود بلکہ از وے جہاں منور بود
سالِ نقلش بگو بہفت اقلیم مسکنِ مولوی بخلدِ نعیم

اصل کتاب مخبرالواصلین (۴-۱۰۳) میں اس نظم کا عنوان ہے !

"تاریخ وفات حضرت مولوی عبدالحکیم سیالکوٹی"

آخری مصرعہ سے سنِ وفات ۱۰۶۸ھ نکلتا ہے، مگر اس سلسلے میں مفصل بحث اس سے پیشتر تاریخِ وفات کے ذیل میں کی جاچکی ہے۔ سیالکوٹ میں مولانا کے مقبرے پر حال ہی میں کسی صاحب نے تعویذ لگایا ہے۔ اس پر بھی ۱۰۶۸ھ ہی سالِ وفات نقش کیا گیا ہے۔